جی چاہتا ہے نقشِ قدم چومتے چلیں

مولانا امین احسن اصلاحیؒ

خان یاسر

امی، ابّی اور دادا کے نام

جن سے میں نے سیکھا کہ
عظیم شخصیات
آسمان سے نہیں اترتیں
بلکہ
زمین پر پیدا ہوتی ہیں،
زمین سے وابستہ ہوتی ہیں؛
اور یہ کہ
ہر بچہ
اگر 'چاہے'
تو 'بڑا' آدمی بن سکتا ہے...

عجب مضمون میں پیدا ہوا ہوں بیت ہستی میں
عبارت میں بہت آسان ہوں معنی میں مشکل ہوں

”دین کے احکام وتعلیمات میں ایک نظم (سسٹم) ہے۔اس کے کچھ بنیادی کلیات ہیں، ان سے کچھ مبادی پیدا ہوتے ہیں، پھر ان سے اصولی تعلیمات پیدا ہوتی ہیں، پھر ان سے جزئیات وفروع وجود میں آتی ہیں۔ جو شخص اس ترتیب وتدریج کے ساتھ دین کو سیکھتا ہے وہ ایک طرف تو ہر مرحلہ میں دوسرے مرحلہ کے لیے اپنے اندر استعداد پیدا کر لیتا ہے۔ دوسری طرف اس پورے سسٹم سے واقف ہوجاتا ہے جو اس کے اندر موجود ہے۔اس کی مثال بالکل یوں ہے کہ ایک بچہ کو پہلے حروف تہجی کی تعلیم دی جائے، پھر ان کو آپس میں جوڑنا اور ملانا سکھایا جائے، پھر اس کو الفاظ اور جملوں کے پڑھنے کی مشق کرائی جائے، پھر اس کے سامنے پڑھنے کے لیے ایک پوری عبارت رکھ دی جائے۔ چونکہ وہ حروف سے عبارت تک درجہ بدرجہ اس سسٹم کو سمجھتا ہوا آیا ہے جو اس کے اندر ملحوظ ہے، اس وجہ سے ہر منزل میں اس نے آگے کی منزل کے لیے استعداد خود بخود بہم پہنچالی ہے، اور کوئی چیز اس کی طبیعت پر بار نہیں ہوئی ہے۔ بلکہ ہر استعداد چونکہ فطرتاً فعل چاہتی ہے۔اس وجہ سے اس نے ایک درجہ سے دوسرے درجے میں منتقل ہونے کے لیے اپنی طبیعت کے اندر خود ایک تقاضا محسوس کیا ہے۔اس کے برعکس جس شخص نے دین کو اس طرح نہیں پایا ہے بلکہ اس کے مختلف حصے اس کے سامنے بے ربط و بے ترتیب رکھ دیے گئے ہیں، اس کی مثال بالکل اس بچہ کی ہے جس کو تمام ابتدائی مراحل سے گزارے بغیر کوئی عبارت رٹا دی گئی ہو، جس کو وہ رٹ تو لے گا اور حافظے کی مدد سے اس کو دہرا بھی سکے گا، لیکن وہ ہمیشہ اس کے حافظے پر ایک بار ہوگی، کبھی اس کی فطری استعداد کا جزو نہیں بن سکے گی۔ انبیائے کرامؑ دین کو پیش کرنے کا یہ طریقہ کبھی نہیں اختیار کرتے، بلکہ فطری اور حکیمانہ ترتیب اختیار کرتے ہیں تاکہ جو لوگ اس کو قبول کریں اپنی طبیعت کی طلب سے قبول کریں اور پورا دین ان کے فکر و نظر اور روح و دل کے اندر جذب ہوجائے۔اسی چیز سے وہ رسوخِ ایمان پیدا ہوتا ہے جو آروں سے چیر ڈالے جانے کے بعد بھی دلوں سے نہیں نکلتا، اور اسی سے وہ ذوق تقویٰ پرورش پاتا ہے جو زندگی کے پھیلے ہوئے معاملات کے بعید ترین گوشوں میں بھی کوئی چیز روحِ دین کے خلاف برداشت نہیں کرسکتا۔[20]“

(امین احسن اصلاحی)

امین احسن اصلاحی

پیدائش، بچپن اور تعلیم: مولانا امین احسن اصلاحی 1904 میں یوپی ضلع اعظم گڑھ کے ایک گاؤں بمہور میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم گاؤں کے ہی ایک سرکاری مکتب سے حاصل کی۔ 1914 میں مدرسۃ الاصلاح میں داخل ہوئے 1922 میں سندِ فراغت حاصل کی۔ مدرسے کے ذہین طلبہ میں ان کا شمار ہوتا تھا۔ پیدائشی سخنور تھے، تقریر اعلیٰ پائے کی کرتے تھے، مضمون نگاری میں بھی درک حاصل تھا۔ فراغت کے بعد صحافت کے میدان میں قدم رکھا اور اس پر چھا گئے۔ آپ بجنور کے مشہور زمانہ اخبار **مدینہ** کے نائب مدیر، اور بچوں کے ہفت روزہ **غنچہ** کے مدیر رہے، **سچ** کی ادارت سے بھی کچھ دنوں تک وابستگی رہی۔ ادارتی ذمہ داریوں کے ساتھ ساتھ مضمون نویسی بھی جاری رہی۔ اس میدان سے مستقل طور پر 1925 تک وابستہ رہے۔ اس زمانے میں ایک بار لکھنؤ سے وطن اعظم گڑھ واپس آئے تو علامہ فراہی سے بھی ملاقات کی، مولانا نے ان سے کمالِ سنجیدگی سے پوچھا، ''آپ اخبار نویسی ہی کرتے پھریں گے یا ہم سے قرآن شریف پڑھیں گے؟'' مایہ نازمفسرِ قرآن کے لبوں سے نکلے ہوئے اس استفہامیہ جملے نے امین احسن کی کایا پلٹ دی؛ بے اختیار ان کی زبان سے نکلا، ''میں حاضر ہوں''۔ علامہ فراہی نے اپنے گھر میں ہی ان کے قیام وطعام کا نظم کیا اور کامل پانچ سال یعنی اپنی وفات تک انھیں قرآن پر غور وفکر کے اصول سکھاتے رہے۔ اس دوران امین احسن نے مدرسۃ الاصلاح میں عربی ادب اور قرآن کے مضامین بھی پڑھائے۔ استادِ محترم کی وفات کے بعد 1931 کے اوائل میں دیوبند آئے اور عبدالرحمٰن مبارکپوری سے حدیث کا درس لیا۔ مدرسہ اصلاح میں انھوں نے تدریسی خدمات سترہ سال تک انجام دیں۔ اس دوران انھوں نے علامہ فراہی کے افکار کی اشاعت اور ان کے تفسیری شہہ پاروں کو اردو داں قارئین تک پہنچانے کے لیے 1936 میں **دائرۂ حمیدیہ** قائم کیا اور ایک رسالہ **الاصلاح** کے نام سے جاری کیا۔ یہ رسالہ 1939 تک پابندی سے

شائع ہوتا رہا۔ مدرسی کے علاوہ اصلاحِ معاشرہ کا کام بھی زوروں پر تھا، چنانچہ اعظم گڑھ اور جونپور کے علاقوں میں دورے ہوتے، بدعات کے خلاف عوام کو بیدار کیا جاتا پھر انھیں صداقت کا، عدالت کا اور شجاعت کا سبق پڑھایا جاتا۔ مولانا کی تقاریر سننے لوگ دور دور سے آتے اور اس کے خاصے اثرات مرتب ہوتے۔

تحریکِ اسلامی سے تعلق: مولانا امین احسن اصلاحی اس زمانے کے دیگر واقف حال علماء اور دقیق النظر دانشور طبقے کی طرح مولانا مودودی کی آتشیں تحریروں سے متاثر تھے۔ لہذا جب مولانا مودودی نے فکر مند مسلمانوں کو 'ایک صالح جماعت' کے قیام کے لیے للکارا تو امین احسن لبیک کہنے والوں میں پیش پیش تھے۔ جماعتِ اسلامی کے تاسیسی اجلاس میں (جس میں بوجوہ وہ شریک نہ ہوسکے) امارت کے لیے ان کا نام بھی پیش کیا گیا تھا۔ اسی اجلاس میں انھیں جماعت کی مجلسِ شوریٰ میں شامل کیا گیا، ساتھ ہی مشرقی یوپی اور بہار کے حلقے کا انچارج (نائب امیر) بنایا گیا۔ جماعتِ اسلامی کا مرکز جب پٹھانکوٹ منتقل ہوا تو مولانا مودودی نے بہ اصرار انھیں مرکز منتقل ہونے کی دعوت دی۔ مارچ 1944 میں امین احسن اصلاحی پٹھانکوٹ منتقل ہو گئے اور مولانا مودودی کے دستِ راست بن گئے۔ تقسیمِ ہند کے وقت ان کا وطن واپسی کا منصوبہ تھا لیکن روبہ عمل نہ آسکا۔ مولانا اصلاحی نے جماعت کے کل ہند اور علاقائی سطح کے اجتماعات میں شرکت کی اور ان میں مختلف نوعیتوں کی انتہائی بیش قیمت تقاریر کیں۔

آزادی کے بعد ملک میں اسلامی شریعت کے نفاذ کے لیے مولانا مودودی کے ساتھ ملک بھر کے دورے کیے؛ اجتماعات اور کانفرنسوں سے خطاب کیا۔ اسی جرمِ حق پرستی کی پاداش میں 5 اکتوبر 1948 کو انھیں دیگر رہنماؤں کے ساتھ پنجاب سیفٹی ایکٹ کے تحت گرفتار کرلیا گیا۔ ایک ماہ کی اس گرفتاری میں تین بار چھ چھ ماہ کی توسیع ہوئی اور آپ 28 مئی 1950 کو ہی رہا ہو پائے۔ جیل کے ایام میں قرآن پر غور وتدبر ہی ان کا دن رات کا مشغلہ تھا۔ روزانہ صبح جیل میں آپ درسِ قرآن دیتے۔ دیگر کتب کا مطالعہ بھی کم وبیش جاری تھا۔ ہلکے پھلکے طور پر تصنیف وتالیف کا کام بھی ہوتا رہا۔ اس زمرے میں اسلامی دستور وقانون اور سیاسی نظام پر آپ کی بیش بہا تصانیف کا ذکر بھی ضروری ہے جس نے متعدد ذہنوں کی گرہیں کھولیں اور فقہی اختلافات کی حقیقی نوعیت کو عوام الناس کے سامنے

کھول کر رکھ دیا۔

اسلامی شریعت کے نفاذ کی یہ جدوجہد ابھی جاری ہی تھی کہ فتنۂ قادنیت نے سر اٹھایا اور مارشل لاء کے تحت 28 مارچ 1952 کو مولانا امین اصلاحی پھر قید کر دیے گئے۔ مولانا مودودی کو جب پھانسی کی سزا دی گئی تو وہ مارے پریشانی اور غم کے ٹہلنے لگے؛ جب پھانسی کی کوٹھی سے مولانا مودودی کے کپڑے واپس لائے گئے تو وہ زار زار روتے، ان کپڑوں کو فرطِ محبت سے سینے، سر اور آنکھوں سے لگاتے اور کہتے، ''میں مولانا مودودی کو بڑا آدمی سمجھتا تھا لیکن مجھے اندازہ نہیں تھا کہ وہ خدا کے اس قدر مقرب اور محبوب بندے ہیں۔'' کچھ دنوں بعد مولانا اصلاحی رہا ہوئے اور مولانا مودودی کی رہائی یعنی مئی 1955 تک بطورِ امیر جماعت ان کی قائم مقامی کی۔ تزکیہ و تربیت ان کا خاص میدان تھا؛ جماعت کے ہر سطح کے اجتماعات میں وہ بطور مربی شریک ہوا کرتے تھے۔

اختلاف اور اس کے بعد: نومبر 1955 کے کراچی کے کل ہند اجتماع میں جماعتِ اسلامی کی الیکشن میں ناکامی کے بعد جماعت کے سیاسی رخ پر کئی ارکان کی جانب سے نکتہ چینی کی گئی۔ متعدد اجتماعات، شوریٰ کے اجلاس اور جائزہ کمیٹی کی رپورٹ وغیرہ بھی اس اختلاف کو ختم نہ کر سکیں اور بالآخر مولانا امین احسن اصلاحی نے جماعت سے استعفیٰ دے دیا۔ مولانا مودودی اور ان کا اختلاف نفسانیت اور انانیت پر مبنی اختلاف نہ تھا بلکہ امیر جماعت اور مرکزی مجلسِ شوریٰ کے اختیارات کو لے کر ایک اصولی اور قانونی اختلاف تھا جو للہ فی اللہ تھا۔ مولانا امین احسن جماعت کے نصب العین اور مفادات کو زندگی بھر اہمیت دیتے رہے۔ وہ جانتے تھے کہ جماعت کے لیے مولانا مودودی جیسے بالغ نظر قائد کی قیادت ناگزیر ہے لہٰذا اس اختلاف کے دوران جب ایک وقت ایسا آیا کہ مولانا مودودی نے ہی جماعت کی قیادت سے استعفیٰ دے دیا تو مولانا امین احسن اصلاحی نے انھیں ایسے کسی اقدام سے باز رہنے کے لیے ایڑی چوٹی کا زور لگا دیا، اور اپنی تقریر میں کہا، ''آپ ہم لوگوں کو اپنے گرد جمع کر کے اب بھاگ کر کہاں جا رہے ہیں ہم آپ کو ہرگز نہیں چھوڑیں گے، نہ بھاگنے دیں گے؛ اپنی یہ ذمہ داری آپ ہی کو سنبھالنی پڑے گی... ہم آپ کو گریبان سے پکڑیں گے۔ اگر آپ اس راہ پر نہیں چل سکتے تھے تو جماعتِ اسلامی کی بنیاد کیوں رکھی۔'' بعد ازاں بھی وہ مولانا مودودی کی صلاحیت کے دل سے قدردان رہے اور کبھی آپ کا یا جماعت کا حریف بننے کی کوشش نہیں کی (جو کہ وہ آسانی سے

کر سکتے تھے)۔ جماعت سے مستعفی ہونے کے بعد اپنے ساتھیوں سے انھوں نے کہا تھا کہ ایک تحریک کے ہوتے ہوئے ہمیں دوسری تحریک چلانے کی ضرورت نہیں بلکہ ہمیں تحریک کی علمی خدمت کرنی چاہیے کہ ''تحریکی اور علمی دونوں خدمات ایک ساتھ انجام دینا صرف مولانا مودودی کا ہی خاصہ ہے۔''

جماعت سے الگ ہونے کے بعد انھوں نے علمی اور خصوصاً قرآنی مباحث پر مبنی ایک رسالہ میثاق نامی جاری کیا۔ 1961 میں انھوں نے **حلقۂ تدبر قرآن** بنایا جس کے تحت وہ طلبہ کو باقاعدہ درس دیتے۔ ان طلبہ میں بڑے بڑے لوگ شامل تھے جو فخر یہ مولانا امین احسن اصلاحی کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ کرتے؛ اور قرآن سے حکمت کے موتی چنتے۔ جماعت سے علاحدگی کے باوجود وہ جماعت کی ذیلی تنظیموں خصوصاً جمعیتِ طلبہ کے لیے ایک مربی کی حیثیت رکھتے تھے اور اکثر اپنی مصروفیات کے باوجود درس دینے کے لیے ان کے پروگراموں میں شرکت کرتے تھے۔ 1963 میں جمعیت کے ایک پروگرام میں درسِ قرآن دینے کے بعد حاضرین میں سے ایک منہ پھٹ شخص نے انتہائی بھونڈے طریقے سے سوال کیا کہ، 'آپ کی مولانا مودودی سے لڑائی کیوں ہوئی؟'، اس گستاخی پر صبر وضبط کا مظاہرہ کرتے ہوئے انھوں نے جواب دیا، ''**یہ ہم بڈھوں کا معاملہ ھے، ہمارے درمیان ھی رھنے دو۔ دین کا کام کرتے چلے جاؤ۔**'' 1970 میں ڈھاکہ کے پلٹن میدان میں جماعتِ اسلامی کا جلسہ درہم برہم کر دیا گیا، جماعت کے کئی کارکنان شہید کر دیے گئے تو امین احسن اصلاحی نے آہ بھر کر کہا، ''یہ ملک اب متحد نہیں رہ سکتا، کیونکہ جماعتِ اسلامی ہی مشرقی اور مغربی پاکستان کے درمیان پل تھی، وہ پل اب ٹوٹ چکا ہے۔'' حالات نے ایک سال کے اندر ہی ان کی پیشینگوئی کی تصدیق کر دی۔

1970 کے اوائل میں وہ بری طرح بیمار ہو گئے، اس طرح کہ جینے کی امید نہ رہی، لیکن پھر سال بھر میں ہی معجزانہ طور پر صحت یاب ہو گئے۔ 1976 میں آپ تدبرِ قرآن لکھنے میں یکسو ہو گئے اور شہر کی مصروف زندگی چھوڑ کر ایک گاؤں میں رہائش اختیار کر لی۔ 1979 میں تفسیر تدبر قرآن نو ضخیم جلدوں میں مکمل ہو گئی۔ 1981 میں آپ نے ادارۂ تدبر قرآن و حدیث کی بنا ڈالی اور سہ ماہی تدبر کا آغاز کیا۔ اس کے تحت ہفتہ وار درسِ قرآن کا سلسلہ پھر شروع ہوا۔ موطا امام مالک کا درس بھی فرمایا، اخیر

میں صحیح بخاری کا درس دینا بھی شروع کیا تھا۔

علمی خدمات: مولانا امین احسن اصلاحی میدانِ علم کے شہسوار تھے۔ تدبرِ قرآن ان کی شاہکار تفسیر ہے جس میں علامہ فراہی کے نظمِ قرآن کے اصول کی پابندی کرتے ہوئے (جو اس سے پہلے تک صرف ایک نظریہ سمجھا جاتا تھا) انھوں نے ثابت کر دکھایا کہ قرآن کی ہر سورت اپنے سے پہلی اور بعد والی سورت سے، اسی طرح ہر آیت اپنے سے اگلی اور پچھلی آیت سے نگینے کی طرح جڑی ہوئی ہے اور قرآن کو سمجھنے کے لیے اس نظم کا خیال رکھا جائے تو بہت سے مشکل مقامات کی گتھی آپ سے آپ سلجھ جاتی ہے۔ اپنے استاد علامہ فراہی کی کئی کتب علاوہ ازیں ان کے تفسیری شہہ پاروں کا نظام القرآن کے نام سے ترجمہ بھی ایک سعادتمند شاگرد کا اپنے استاذ کو گراں مایہ خراجِ عقیدت ہے؛ یہ ترجمہ ایسا سادہ اور سلیس ہے کہ ایک طبع زاد تصنیف کا گمان ہوتا ہے۔ اس عظیم خدمت کے لیے علمی دنیا تا قیامت آپ کی احسانمند رہے گی۔

ان کی دیگر تصانیف میں تزکیہ نفس، حقیقتِ شرک، حقیقتِ توحید، حقیقتِ رسالت، حقیقتِ معاد، دعوتِ دین اور اس کا طریقۂ کار، اسلامی قانون کی تدوین، اسلامی ریاست، اسلامی معاشرے میں عورت کا مقام، حقیقتِ نماز، حقیقتِ تقویٰ، اسلامی ریاست میں فقہی اختلافات کا حل، مبادئ تدبرِ قرآن، مبادئ تدبرِ حدیث وغیرہ قابلِ ذکر ہیں۔ ان کے مقالات کے کچھ مجموعے تنقیدات، توحیدات اور مقالاتِ اصلاحی کے نام سے چھپ چکے ہیں۔

1997 میں اس اقلیم علم کے بے تاج بادشاہ، مایہ ناز مفسرِ قرآن اور عالم باعمل نے آخری سانس لی، اللہ تعالیٰ ان کے درجات بلند فرمائے۔ آمین!